(۱۱)

عجز وانکسار سے دعائیں کرو اور اپنی اصلاح میں لگ جاؤ

(فرمودہ ۳؍ اپریل ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اس ہفتہ سے وہ روزوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے جس کے متعلق دو تین ہفتے ہوئے میں نے جماعت کے دوستوں کو ہدایت کی تھی اب آئندہ ہفتہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ دوسرا روزہ آئے گا اور اس طرح سات ہفتوں میں خدا کے فضل سے اور اس کی مدد کے ساتھ وہ دعا کا پروگرام ختم ہوگا جس کے متعلق میں اعلان کر چکا ہوں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ [۱]۔ مؤمن کو جب کبھی وہ مشکلات میں مبتلاء ہو تو صبر اور نماز و دعا سے مدد طلب کرنی چاہئے۔ صبر کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ انسان ان مصائب اور مشکلات اور اذیتوں کو برداشت کرے جو اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت اس کے مخالفوں کی طرف سے اسے پہنچ رہی ہوں لیکن صبر کے معنے روزہ کے بھی ہیں، صبر رُک رہنے کا نام ہے اور صوم بھی رُک رہنے کا نام ہے دونوں لفظ ہم معنی ہیں جس طرح انسان مصائب اور مشکلات کے موقع پر گھبراہٹ سے رُکا رہتا ہے اسی طرح روزہ میں کھانے پینے سے رُکا رہتا ہے۔ پس صبر کے معنے جہاں تکالیف کی برداشت کے ہیں وہاں اس کے معنے روزہ کے بھی ہیں بلکہ صبر روزہ کا زیادہ ہم معنی ہے بہ نسبت اذیتوں اور مشکلات کو برداشت کرنے کے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر عمل کی کوئی جزاء ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ کی جزاء میں خود ہوں [۲] یعنی

بجائے اس کے کہ روزہ کا انعام مخلوقات میں سے کسی چیز کے ذریعہ دیا جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ذریعہ سے اس کی جزاء ملتی ہے۔ پس ایسے کام جو خالص مذہبی ہوں اور جن کے نتیجہ میں انسان کی ایک ہی غرض ہو یعنی رضائے الٰہی ان کے حصول اور تکمیل کیلئے بہترین صبر روزہ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ روزہ درحقیقت ایک زائد چیز بن جاتا ہے۔

اذیت اور تکلیف دینے والے بعض نعمتوں سے محروم کردیتے ہیں تکلیف اور اذیت کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ بعض چیزیں جن کی انسان کو خواہش ہوتی ہے اس سے چھین لی جاتی ہیں مثلاً انسان عزت چاہتا ہے مگر اسے گالیاں دی جاتی ہیں، انسان اپنے بزرگوں کا احترام چاہتا ہے مگر مخالف ان پر جھوٹے الزام لگا کر اور توہین کر کے اس کی راحت چھین لیتا ہے، یا جھوٹے مقدمات بنا کر قید کرا دیتا ہے، زمین یا مکان لے لیتا ہے، مار پیٹ کر کے جسم کا سکون اور آرام لے لیتا ہے غرض تکلیف اور اذیت کے یہی معنے ہیں کہ انسان کی کوئی چیز خواہ وہ جسمانی ہو یا روحانی یا معنوی دوسرا اسے چھین لیتا ہے اور مؤمن کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اس پر بے تابی کا اظہار نہ کرے خواہ اس سے اس کی جان و مال، عزت، آبرو، سکون، آرام سب کچھ چھین لیا جائے اسے چاہئے کہ خدا پر توکل کر کے وقت گزارے۔

اور روزہ کیا ہے انسان خدا کیلئے اپنی مرضی سے کچھ چیزیں چھوڑ دیتا ہے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے، میاں بیوی کے تعلقات ترک کردیتا ہے، رات کو جاگنے والا نہ بھی ہو تو نیند ترک کرتا ہے، اپنی زبان، آنکھوں، کانوں وغیرہ کی زیادہ حفاظت کرتا ہے کیونکہ اخلاق کی پوری نگرانی کے بغیر روزہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ پس جب انسان کسی مصیبت میں مبتلاء ہوتا ہے یعنی دشمن اور مخالف اس کی بعض پسندیدہ چیزوں کو اس سے چھین لیتے ہیں تو بندہ خدا تعالیٰ کیلئے روزہ رکھتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یہ چیزیں کیا ہیں جو مجھ سے چھینی گئی ہیں میں تو تیری خاطر اپنی خوشی سے اور بھی چیزیں چھوڑنے کو تیار ہوں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی تجھ سے کُرتہ مانگے تو اسے چادر بھی دے دے [۳]، اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دے [۴]۔ ممکن ہے آپ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہو جو میں بیان کر رہا ہوں اور عیسائیوں نے اسے غلط سمجھا ہو۔ روزہ رکھنا گویا یہ کہنا ہے کہ خدایا! تیرے عشق میں کونسی چیز ہے جو

میں چھوڑ نہیں سکتا اگر تیری مشیّت مجھ سے ایک چیز چھڑاتی ہے تو میں خوشی سے دوسری بھی چھوڑ دیتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ دشمن سے کہتا ہے کہ اس کا کُرتہ چھین لے تو وہ کہتا ہے کہ خدایا! میں تیری خاطر چادر بھی پیش کرتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ دشمن کو اس پر مسلط کرتا ہے کہ گالیاں دے کر اسے کانوں کا عذاب دے تو وہ کہتا ہے میں زبان اور پیٹ کا عذاب بھی اپنے اوپر لیتا ہوں یعنی بھوکا رہوں گا اور اس طرح جو تکالیف اسے جبری پہنچتی ہیں وہ بھی اس کی ان طَوعی اور رضائی تکالیف کی وجہ سے طَوعی ہی بن جاتی ہیں اور اس کیلئے ثواب کا موجب ہو جاتی ہیں۔ عام لوگ جانتے ہیں اور یہ صرف لطیفہ ہی نہیں بلکہ تجارب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ لیٹ یا بیٹھ جانے والے انسان پر شیر حملہ نہیں کرتا اور شیر تو کجا کتے کے سامنے بھی اگر کوئی شخص بیٹھ جائے تو وہ اسے نہیں کاٹتا اور کون عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں شیر جتنی مروت بھی نہیں۔ اس لئے جب دشمن حملہ آور ہو اور ہم بجائے جزع فزع کرنے کے خدا تعالیٰ کے حضور بیٹھ جائیں اور کہیں کہ ہم تو باقی چیزیں بھی تیرے حوالے کرنے کیلئے تیار ہیں تو یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ اس غضب کو روک نہ دے۔ شریف فطرت انسان بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ جو اس کے سامنے لیٹ جائے اس پر حملہ کرے کجا یہ کہ شریف فطرت کو پیدا کرنے والا ایسا کر سکے۔

بچپن کی ایک بات مجھے یاد ہے کہ ہم نے ایک کشتی خریدی تھی جو ڈھاب میں پڑی رہتی تھی بعض دفعہ بعض لوگ بغیر اجازت اسے لے جاتے اور اس سے ایسا سلوک کرتے جس سے کہ وہ جلدی خراب ہونے لگی۔ اس میں پانی کثرت سے آنے لگا۔ کبھی اسے اُلٹا دیتے، کبھی ڈبو دیتے۔ میں نے بعض ساتھ کھیلنے والے لڑکوں سے کہا کہ تم تاڑ رکھو اور جب کوئی اسے لے جائے تو مجھے بتاؤ۔ چند روز کے بعد گاؤں کے بعض لڑکے اسے لے گئے اور خراب کرنا شروع کر دیا، ایک لڑکے نے مجھے آکر اطلاع دی میں جلدی سے گیا اور دیکھا کہ بعض لڑکے اسے منجدھار میں لے جاکر پانی اُچھال رہے ہیں۔ میں نے انہیں آواز دی کہ کشتی ادھر لے آؤ۔ ان میں سے کچھ تو تیر کر بھاگ گئے اور کچھ کشتی کو لے آئے مگر وہ کنارے پر اُتر کر وہ بھی بھاگنے لگے۔ میں نے ان میں سے ایک قصاب لڑکے کو پکڑ لیا اور مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا لیکن جب تھپڑ مارنے کیلئے ہاتھ کو نیچے لا رہا تھا تو اُس نے جھٹ اپنا جسم ڈھیلا کر کے کلّہ میری طرف کر دیا اور کہنے لگا لو جی مارلو۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ

میرا ہاتھ وہیں رُک گیا اور غصہ جاتا رہا بلکہ میں اپنے نفس میں اپنے آپ کو چھوٹا محسوس کرنے لگا کہ میں ایسی چھوٹی بات پر اسے مارنے لگا تھا۔ پس اگر انسانی فطرت ایسے موقع پر اتنی بلند پروازی سے کام لے سکتی ہے تو وہ عظیم الشان ہستی جس کے خزانوں میں کمی نہیں، جس کے فضلوں کی حد بندی نہیں اس کے غضب یا امتحان لینے کے موقع پر اگر انسان اپنے آپ کو اس کے آگے رُکرا دے تو جو تبدیلی اُس کی صفات میں پیدا ہوتی ہے انسان اس کیفیت کا اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا سلوک اپنے بندوں سے جس محبت کا ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جنہیں اس کی محبت کا تجربہ کرنے کا موقع ملا ہو۔ مجھے یاد ہے میں چھوٹا بچہ تھا جب میں نے رؤیا میں ایک چھ سات یا آٹھ برس کی عمر کا بچہ جو نہایت خوبصورت اور نہایت عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے تھا دیکھا۔ ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ ایک سنگ مَرمَر کا چبوترہ ہے جس کے اِرد گِرد ایک دو سیڑھیاں بھی ہیں وہ امرتسر کے اس چبوترے سے ملتا جُلتا ہے جس پر کوئین وکٹوریا کا بُت نصب ہے میں نے دیکھا کہ وہ بچہ ان سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر چبوترے پر جھکا ہؤا ہے جس طرح کوئی کسی بزرگ سے دعا اور برکت لینے کیلئے جھکتا ہے اور مجھے یوں معلوم ہؤا کہ گویا آسمان پر کوئی چیز ہے جس سے وہ برکت لینا چاہتا ہے اس پر میں نے اوپر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ آسمان پھٹ گیا ہے اور اس میں سے کوئی پروں والی چیز نیچے آرہی ہے اور مجھے خیال ہؤا کہ یہ حضرت مریم ہیں اور بچہ حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ حضرت مریم ایسے رنگین لباس میں ملبوس تھیں کہ جو دنیا میں نظر نہیں آتے اور انہوں نے چبوترے پر پہنچ کر اپنے پر بچہ پر پھیلا دیئے اور جب وہ اس پر جھک گئیں تو آواز آئی کہ Love Creates Love یعنی محبت محبت پیدا کرتی ہے یعنی جب ایک طرف محبت پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف خود بخود ہونے لگتی ہے۔ یہ صداقت جو مجھے رؤیا میں دکھائی گئی تمام کائنات میں نظر آتی ہے اور جو حُسن مخلوق میں نظر آتا ہے کس طرح ممکن ہے کہ اس ہستی میں نہ ہو جو محبت کی خالق ہے۔

اِسی کا ہم معنی ایک اور نظارہ مجھے اِس وقت یاد آگیا ہے کچھ عرصہ کی بات ہے کہ ایک مشکل مجھے پیش آئی جس کیلئے میں نے دعا کی مگر اُس کی قبولیت میں کچھ دیر ہوگئی۔ اُس وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ کچھ دن میں زمین پر سوؤں گا اور اس طرح زیادہ انکسار کے ساتھ دعا کرسکوں گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کو زیادہ سُرعت سے جذب کرسکوں گا چنانچہ میں زمین پر بستر

کر کے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ایک عورت کی شکل میں آیا اس کے ہاتھ میں ایک سبز شاخ ہے جس کے سرے پر کچھ پتے بھی موجود ہیں اور جس طرح ماں بعض اوقات بچہ پر بظاہر غصہ کا اظہار کر رہی ہوتی ہے مگر حقیقتاً وہ محبت کا اظہار کرتی ہے اسی طرح وہ چھڑی پکڑ کر مجھے کہتا ہے کہ اُٹھ کر چارپائی پر لیٹتا ہے یا نہیں؟ مجھے یاد نہیں کہ چھڑی ماردی ہے یا نہیں لیکن رؤیا میں مَیں نے دیکھا کہ اس کے ایسا کہنے پر میں کود کر چارپائی پر جا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ میں واقع میں بھی کُود کر چارپائی کی طرف جا رہا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس طرح محبت کے ساتھ مجھے بتایا کہ تمہارا زمین پر لیٹنا مجھے شاق گزرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی محبت کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے ایسا نقشہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں ماں باپ، بیوی، خاوند، بہن، بھائی، دوست احباب غرضیکہ دنیا کی سب محبتیں ہیچ ہوتی ہیں اور کوئی بھی عقل یہ تسلیم نہیں کرسکتی کہ جس نے محبت پیدا کی اس کے مقابلہ میں کوئی محبت ٹھہر سکتی ہے۔ پس اگر مصیبت اور تکلیف کے ایام میں مؤمن اپنی مرضی سے اور تکالیف اپنے اوپر ڈال لے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت معاً بھڑک اُٹھتی ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ بندہ اس کی محبت اور عشق میں اتنا گداز ہے کہ تکالیف پر بجائے شکوہ اور گلہ کرنے کے اور ان پر رنجیدہ ہونے کے خود بخود اَور بوجھ اپنے اوپر ڈالنے کیلئے تیار ہوگیا ہے تو معاً اس کی تکالیف کو دور کر کے اس کی محبت کی قربانی کو قبول کر لیتا ہے اس لئے اس موقع پر روزہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والی چیز ہے اور اس کا اندازہ روحانی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ پس اس ہتھیار کو معمولی نہ سمجھو دنیا میں لوگ بھوکے رہ کر کمزور ہو جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ نسخہ بتایا ہے کہ بھوکے رہ کر ہم طاقتور ہو سکتے ہیں۔ مؤمن جب فاقہ کرتا ہے تو اسے ایسی طاقت حاصل ہوتی ہے کہ جس کے مقابل پر بڑی بڑی طاقتیں ہیچ ہوتی ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ روحانی دنیا بالکل نرالی ہے اور یہاں بعض باتیں دوسری دنیا کی نسبت عجیب ہوتی ہیں۔ فرعون جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر دلائل سے شکست کھا کر عاجز آگیا تو اُس نے تمسخر کا طریق اختیار کیا اور وزراء سے کہا کہ اونچا محل تیار کراؤ۔ **لَعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی** [5]۔ اس طرح میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ آؤں مگر دیکھو! خدا تعالیٰ بھی کیا لطیفہ کرتا ہے اُس

نے اُسے سمندر میں غرق کیا اور اس طرح بتا دیا کہ آسمان پر جانے والا تُو کون ہے؟ میں تجھے زمین سے نیچے لے جا کر اپنی شکل دکھاتا ہوں۔ مگر مؤمن جب زمین پر جھکتا ہے، سجدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کیا کروں جو آسمان پر نگاہ ڈالوں اور خدا کے حسین چہرے کو دیکھ سکوں جب وہ اپنے سر کو نیچے لے جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے اوپر اُٹھاتا ہے۔ فرعون اوپر جا کر خدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہتا تھا مگر خدا تعالیٰ نے اسے تحت الثریٰ میں پہنچایا لیکن مؤمن نیچے جاتا اور تذلل اختیار کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ اسے اُوپر اٹھاتا ہے۔ سورہ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مؤمن کے گھر کو اونچا کرتا ہوں بلکہ اس کے طفیل اس کے خاندان کو بھی اوپر اُٹھاتا ہوں[۶]۔ اس کے بالمقابل جو بڑائی اور تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے نیچے گراتا ہے۔

پس روحانی دنیا کے معاملات بالکل نرالے ہوتے ہیں تم یہ خیال مت کرو کہ روزہ معمولی چیز ہے ہماری لڑائی روحانی ہے اس لئے اس میں روحانی ہتھیار ہی کام آسکتے ہیں۔ جہاں لوہے کی تلواروں سے لڑائی ہو وہاں تو لوہے کی تلوار ہی کام آسکتی ہے مگر جب لڑائی روحانی ہو تو دل کو کاٹنے کیلئے روحانی تلوار کی ضرورت ہوتی ہے اور روحانی تلوار کو تیز کرنے کیلئے پتھر کی سان کی ضرورت نہیں بلکہ روزہ کی سان کی ضرورت ہے۔ اِس عالم میں کوئی چیز جتنی موٹی ہو اُتنی بھاری ہوتی ہے مگر روحانی عالم میں کوئی چیز جتنی باریک ہو اُتنی ہی زیادہ وزنی ہوتی ہے۔ اس دنیا میں موٹائی وزن بڑھاتی ہے مگر روحانی عالم میں باریکی وزن کو بڑھاتی ہے۔ پس اِس ہتھیار کو معمولی مت سمجھو اور ان دنوں کو غفلت میں مت گزرنے دو۔ ہفتہ میں ہم ایک دن روزہ رکھیں گے اور سات دن دعائیں کریں گے دعائیں خواہ انفرادی طور پر کی جائیں خواہ جماعتیں مل کر دعا کرنے کا انتظام کریں یعنی ایک مقررہ وقت پر سب دوست جمع ہو کر دعا کریں۔

اس کے متعلق میں ایک بات اور کہہ دینا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا طریق بندوں سے مختلف ہوتا ہے اس کا غضب بھی رحمت کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے بندہ کو جب دوسرے پر غصہ آتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے پیس ڈالے اور مٹا دے مگر خدا تعالیٰ کا غضب جب نازل ہو رہا ہو اُس وقت بھی اُس کے مدنظر یہی ہوتا ہے کہ اگر ہو سکے تو بچایا جائے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق روایات میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے جو معلوم نہیں پوری

طرح صحیح ہے یا نہیں مگر اس کے بعض حصوں کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ جب ان کی قوم پر سے عذاب ٹل گیا اور انہیں عذاب کی کوئی خبر نہ ملی بلکہ راہ گزروں سے یہ سنا کہ نینوا کے لوگ بالکل خیریت سے ہیں تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ عذاب نہ آنے کی وجہ سے اُن کی قوم ان کو جھوٹا کہے گی ملک کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ادھر ان کی قوم توبہ کر چکی اور ان کی آمد کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی کہ تا ان پر ایمان لا کر ان کے حکموں کے مطابق زندگی بسر کرے مگر حضرت یونس ان حالات سے بے خبر تھے۔ پس وہ ملک چھوڑ دینے کے خیال سے وہاں سے چل پڑے اور ایک جہاز پر سوار ہو گئے تا کہ کہیں دور نکل جائیں مگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے وہ جہاز میں سوار تھے ایک شدید طوفان آیا اور لوگوں نے رائج الوقت خیالات کے مطابق سمجھا کہ کوئی غلام بھاگ کر جہاز میں سوار ہؤا ہے جس کی وجہ سے طوفان آیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اُن کی گفتگو سنی تو کہا کہ وہ غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقا سے بھاگ آیا ہوں یعنی انہوں نے خیال کیا کہ میرے چلے آنے کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے اور اس سبب سے یہ طوفان آیا ہے۔ لوگوں نے ان کی بات کو قبول نہ کیا لیکن جب فیصلہ کرنے کیلئے قرعہ ڈالا تو انہی کا نام نکلا آخر لوگوں نے اُن کو سمندر میں پھینک دیا جہاں اُنہیں ایک بڑی مچھلی نگل گئی اور آپ تین دن اس کے پیٹ میں رہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ماتحت زندہ رہے۔ تین دن کے بعد مچھلی نے آپ کو اُگل دیا۔ جس جگہ پر اس نے آپ کو اگلا تھا وہاں ایک بیل اُگ آئی یا پہلے سے اُگی ہوئی تھی اس کے سایہ میں آپ پناہ لے کر لیٹ گئے۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے نہایت کمزور ہو رہے تھے اس لئے نڈھال ہو کر سایہ میں پڑے رہے آپ کو طاقت آ رہی تھی کہ یکدم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بیل جس کے سایہ میں آپ لیٹے ہوئے تھے اسے ایک کیڑے نے کاٹ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ خشک ہو کر گر گئی۔ آپ کو اس کا بڑا صدمہ ہؤا کیونکہ اس سے آپ کو بہت آرام ملا تھا اور آپ کے منہ سے بے اختیار بددعا نکلی کہ خدا اس کیڑے کو تباہ کرے جس نے اس بیل کو کاٹ دیا ہے مگر چونکہ یہ سب کچھ آپ کو سبق دینے کیلئے ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ نے معاً آپ کو الہام کیا کہ اے یونس! یہ بیل تیری لگائی ہوئی نہ تھی صرف تجھے اس سے عارضی تعلق پیدا ہوا تھا مگر اس کے کٹ جانے پر تجھے اس قدر رنج ہؤا تو سوچ کہ جس قوم کی تباہی تُو چاہتا تھا وہ تو میری پیدا کردہ تھی کیا اسے تباہ کرتے ہوئے مجھے رنج نہ

ہوتا؟ پھر اگر ان کے توبہ کرنے پر میں نے ان کو بخش دیا تو تجھے کیوں رنج ہوا۔

اس قصہ کی تفصیلات میں خواہ کچھ غلطی ہو لیکن اس کے اکثر اجزاء کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے۔ پس اس میں جو سبق نکلتا ہے وہ درست ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں بھی رحم ملا ہوا ہوتا ہے وہ خود بھی فرماتا ہے کہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ [۲] میری رحمت ہر دوسری شَے پر غالب ہے۔ گویا جس طرح کونین پر میٹھا چڑھا دیا جاتا ہے تا آسانی سے کھائی جاسکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غضب پر رحمت کی شکر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ مؤمن کو بھی اللہ تعالیٰ کا طریق اختیار کرنا چاہئے یعنی اگر ہم کسی کے متعلق دعا کریں کہ وہ تباہ ہو جائے تو اس لئے نہیں کہ اس سے ہمیں تکلیف پہنچی ہے بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی تعلیم کے پھیلنے میں وہ روک بنتا ہے ذاتی عداوت ہرگز نہ ہونی چاہئے۔ اگر ہم واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو ہمارے اندر وہی صفات ہونی چاہئیں جو ہمارے ربّ میں ہیں۔ بے شک ہمارے مخالفین میں عیوب ہیں مگر مؤمن کو ثواب زیادہ نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ آپ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ رستہ میں کُتّا مرا ہوا پڑا تھا۔ حواریوں نے ناکوں کے آگے رومال رکھ لئے، تھوکنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ مُردار سے کس قدر تعفّن اُٹھ رہا ہے۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور فرمایا دیکھو! اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔

سو دشمن اگرچہ ہماری مخالفت کرتا ہے مگر ہم اس کی مخالفت کے باوجود دو بلکہ تین پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ایک یہ کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو دیانتداری کے ماتحت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے دین سے پھر گئے ہیں اس لئے وہ ہماری اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ گویا وہ ہماری مخالفت خیر خواہی سے متأثر ہو کر کرتے ہیں اس لئے ہم ان کی نیت کو نہیں بھلا سکتے۔ اکثر لوگ غلطی خوردہ ہوتے ہیں وہ ہماری مخالفت کرتے وقت سمجھتے ہیں کہ دین کو قائم کر رہے ہیں اور وہ ہمیں مٹا کر اسلام کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ شرارت کرتے ہیں اور ہم ان کو غلطی پر سمجھتے ہیں مگر ان کے خیالات پر بھی نیکی کا غلبہ ہوتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ انبیاء کے مخالفوں کے ذریعہ ان

کے ماننے والوں کو دکھ پہنچاتا ہے تا ان کی نیکی اور مخالفوں کی بدی ظاہر ہو جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ ایک طرف مؤمنوں کا امتحان لیتا اور دوسری طرف ان کے مخالفوں کی بُرائیوں کو ظاہر کرتا ہے پس ان کی طرف سے جو مخالفت ہوتی ہے اس میں ایک حصہ جبر کا بھی ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان تکالیف کا موجب کچھ ہمارا اپنا قصور بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم کو پاک کرے۔ ہم میں سے اگر کوئی بدمعاملہ ہو تو دشمن سمجھتے ہیں کہ یہ سب ٹھگ ہیں، کوئی جھوٹ بولتا ہے تو مخالف کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس طرح ہماری کمزریوں کو دور کرے۔

یہ بات بھی ایسی ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے اور ان تین باتوں کی موجودگی میں ہمارا فرض ہے کہ پہلے مخالفوں کیلئے دعا اور پھر بددعا کریں۔ پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہہ کر بیت الدعا کے اوپر ایک کمرہ اپنے لئے بنوایا تھا کہ وہ بھی اس میں دعا کیا کریں گے۔ آپ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اس میں دعا کر رہا تھا کہ مجھے نیچے سے اس طرح کی آواز آئی جیسے کوئی عورت دردِ زہ سے بیتاب ہو کر روتی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوُا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت زاری سے دعا کر رہے ہیں۔ وہ طاعون کے دن تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ رہے تھے الٰہی! اگر یہ قوم طاعون سے ہلاک ہوگئی تو مجھ پر ایمان کون لائے گا؟

یہ ہمارے سردار کا رویہ ہے پس ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم ڈوبنے والے کو بچائیں اور مرنے والے کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ غیظ وغضب سے اتنے متاثر مت ہو کہ یہی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کا بیڑا غرق کر دے بلکہ پہلے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ سب انسان ایک آدم کی اولاد ہیں مگر لوگوں نے اس برادری کو بھلا دیا اس لئے غیریت پیدا ہوگئی اگر تم اس کا خیال رکھو تو پھر یہ احساس بھی تمہیں ہو جائے گا کہ اپنے بھائیوں کو کون مرواتا ہے۔

مکّہ کے کفار مسلمانوں کے کتنے دشمن تھے مگر اس برادری کا خیال ان پر بھی غالب تھا۔

چنانچہ بدر کے دن بعض نے کہہ دیا کہ مسلمان بھی تمہارے بھائی ہیں ان کو کیسے مارو گے؟ گویا شدید دشمنی کے باوجود محبت کا جوش غالب آ گیا۔ پس اگر ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور ساری دنیا ایک برادری ہے تو ہمارا فرض ہے کہ مخالفت کرنے والوں کو دعاؤں کے تیروں سے ماریں۔ یہ چیز اچھی نہیں کہ ہم بددعاؤں سے اپنے بھائیوں کے خون کریں۔ ذاتی جوش میں ہمیں یہ نہ کہنا چاہئے کہ خدایا! ان پر وبال نازل کر بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے خدا ہم ان کی بہتری ہی چاہتے ہیں تباہی نہیں۔ ہم خود بھی کمزور تھے مگر تیرے فضل نے ہمیں ڈھانپ لیا تیری رحمت اتنی وسیع ہے کہ اس سے باہر کوئی چیز نہیں پس اگر تُو ان کو بھی ڈھانپ لے اور ہدایت دے دے تو اس سے زیادہ ہماری خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے لیکن اگر تیری حکمت بعض کو اس کا اہل نہیں سمجھتی اور ان کو فنا کرنے میں ہی بہتری ہے تو گو یہ بات ہمارے لئے رنج کا موجب ہوگی مگر ان کو ہمارے رستہ سے اس طرح ہٹا دے کہ اسلام کی ترقی میں ان کا وجود روک نہ رہے۔ یہ طریق ہے جو ہمیں اختیار کرنا چاہئے یہ دعا بھی ہے اور بددعا بھی۔ یہ دعا ہے اس لئے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ مؤمن بددعا کبھی نہیں کرتا اور یہ بددعا ہے اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ مؤمن کبھی کبھی بددعا بھی کر لیتا ہے۔ یہ چیز دونوں کے بین بین ہے اور دعا کی طرف بددعا کی نسبت زیادہ جھکی ہوئی ہے کیونکہ اس میں پہلے ہدایت کی دعا ہے۔ ہاں یہ بھی ہے کہ اگر ہدایت مقدر نہ ہو تو پھر خدا ان کو ہمارے رستہ سے ہٹا دے تا دین کی ترقی میں روک نہ ہوں۔ پس ہمارا غضب خدا کے لئے چاہئے اور اگر ہم اس طرح دعا کریں تو یقیناً یہ غضب خدا کیلئے ہوگا لیکن اگر ہم کہیں کہ خدا ان کو مار دے تو اس سے ذاتی غصہ ظاہر ہوتا ہے۔ پس ان دنوں میں اس رنگ میں دعائیں کرو جو میں نے اوپر بتایا ہے اور اس کے ساتھ جماعت کی اصلاح کیلئے بھی دعائیں کرو کیونکہ اگر یہ لوگ تباہ بھی ہو گئے اور ہم نے ان کی جگہ لے لی تو اس کا کیا فائدہ۔ ایک جھوٹے اور فریبی کو ہلاک کروا کر اگر دوسرا جھوٹا اور فریبی جگہ لے لے تو اس میں کوئی خوبی کی بات نہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کیلئے ان کی تباہی چاہتے ہیں تو یہ بھی دعا کرنی چاہئے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے نہ ہوں۔ خدا ہمیں رحم دل، متقی اور دیانتدار بنائے، ہم احسان کرنے والے ہوں کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو ایک سیاہی کو مٹا کر دوسری لگا لینے سے دنیا کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ پس اس بات کیلئے خصوصیت سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ جماعت کا روحانی معیار بلند کر دے۔ ابھی کئی لوگ

جماعت میں ایسے ہیں کہ جن میں اور غیروں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جھوٹ، خیانت، ظلم، حق تلفی سے انہیں گریز نہیں۔ وہ دوستوں کیلئے جھوٹ بول دیتے ہیں اور بندہ کی دوستی کیلئے خدا کی دوستی کو قربان کر دیتے ہیں اور اگر یہ چیزیں قائم رہیں تو خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ موجودہ نقشہ کو تباہ کر دے بلکہ ہمارے مخالف ہم سے زیادہ ہیں اور اگر دونوں ایک ہی قسم کے ہوں تو پھر زیادہ تعداد والوں کا زیادہ حق ہے کہ انہیں قائم رکھا جائے۔

سو ان دنوں میں خدا تعالیٰ سے بہت دعائیں کرو اور عجز و انکسار سے اس کے حضور جھک جاؤ۔ نہ صرف پیر کے دن بلکہ ہر روز دعائیں کو۔ جہاں امام ایسا نہ ہو جو نمازوں میں تلاوت کے ساتھ دعائیں پڑھ سکے وہاں دوسرے وقت میں مل کر دعا کا انتظام کرلو اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو علیحدہ علیحدہ دعائیں کرو مگر کوئی دن ایسا نہ گزرے جب دعا نمایاں شکل میں سامنے نہ آچکی ہو اور اگر اس طریق سے دعائیں کی جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ہرگز خالی نہ جائیں گی۔ پچھلے سال اس کا تجربہ ہم کر چکے ہیں اِدھر دعا کے ایام کا خاتمہ ہوا اور اُدھر کوئٹہ میں زلزلہ آیا اور پھر مسلسل تباہیاں آتی رہیں تا کہ دشمن کو بیدار کر دیں مگر افسوس کہ اس سے کسی نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ یہ دن غفلت میں نہ گزاریں گے اور عاجزانہ طور پر خدا کے حضور جھکیں گے تو اللہ تعالیٰ دو نشانوں میں سے ایک ضرور دکھائے گا۔ یا تو وہ ان کو ہدایت دے دے گا یا انہیں ہلاک کر دے گا دونوں میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ رحمت کا نشان دکھائے یا غضب کا اگر تمام احمدی عجز اور انکسار سے دعاؤں میں لگے رہیں تو دشمن کے حالات کے مطابق ان دونوں باتوں میں سے ایک کو ضرور معیّن کرا کر رہیں گے۔ اگر وہ نیکی کی طرف جھکے گا تو رحمت کا نشان ظاہر ہوگا اور اگر ضد میں بڑھے گا تو غضب کا۔

پس آؤ اس رحمت کے دروازہ میں جو خدا نے کھولا ہے داخل ہو جاؤ جو سوائے تمہارے کسی کو میسر نہیں۔ آج اجابت دعا کے دروازے صرف تمہارے لئے ہی کھولے گئے ہیں اور کسی کیلئے نہیں، قبولیت کے فرشتے تمہارے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں مگر دوسروں کیلئے ان کی مٹھیاں بند ہیں۔ اس طاقت اور قوت کو حقیر مت سمجھو جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ آسمان سے تمہاری کامیابی کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ اگر ہمت اور استقلال سے کام لو گے، خدا کے حضور عجز اور

انکسار سے جھک جاؤ گے تو وہ تمہیں توفیق دے گا کہ اپنے آسمانی باپ کا ورثہ حاصل کر سکو لیکن اگر سُستی اور غفلت کرو گے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ خالی منہ سے نکلی ہوئی دعائیں قبول نہیں ہؤا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور وہی دعا قبول ہوتی ہے جو دل کے خون سے لکھی جائے زبان کی آواز قبول نہیں ہوتی بلکہ دل کے خون کی تحریر قبول ہوتی ہے۔ اگر دعاؤں کے ساتھ دل کے خون کے چھینٹے دو گے تو کامیابی کے رستے کھل جائیں گے ورنہ جو برکتیں تمہارے لئے مقدر ہیں وہ انتظار کریں گی جب تک کہ تم ان کے قابل نہ ہو جاؤ۔ انہیں لینا تمہارے اختیار میں ہے چاہے جلد حاصل کر لو اور چاہے ملتوی کرا لو۔

(الفضل ۱۱؍اپریل ۱۹۳۶ء)

---

۱ البقرۃ: ۴۶

۲ بخاری کتاب الصوم باب فی فضل الصوم

۳ متی باب ۵ آیت ۴۰۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۴ متی باب ۵ آیت ۳۹۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۵ القصص: ۳۹

۶ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ (النور: ۳۷)

۷ الاعراف: ۱۵۷